OPEN ACCESS
Al Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities
ISSN (ONLINE): 2707-1219
ISSN (PRINT): 2707-1200

ARJISH, Vol: 5, Issue: 3,
July to September 2021
DOI: 10.53575/arjish.v5.3(21)u9.92-104
http://www.arjish.com

سلیم اختر شناسی کی روایت میں اردو ادبی رسائل کا کردار

Role of Urdu Literary Magazines in The Tradition of Saleem Akhtar Shinasi

Zahida Naseem[*]
Dr. Zamurad Kousar[**]

Abstract
Dr. Saleem Akhtar has been a multi-faceted personality of Urdu literature who has made significant contributions in the field of creation of Urdu language and literature. He has served the Urdu Literature in various fields as a critic, correspondent, sketcher, translator, satirist and short story writer, as well as a writer on general psychology. He not only solved centuries-old literary issues in his shortest history book, but also presented a new way to the readers of literature. He presented new ideas in Criticism and create a lot of books in this regard. He also strengthened the field of Iqbaliyat in all over the world. Due to the literary services of Dr. Saleem Akhtar, a permanent tradition of knowledge of Saleem Akhtar has come into existence in which the role of literary magazines is very important. Various Urdu literary journals set up special sections and published articles by eminent critics through which Saleem Akhtar Shinasi was greatly strengthened.

Keywords: Tradition, Magazines, Literary, Criticism, Writer.

ڈاکٹر سلیم اختر اردو ادب کی ایک کثیر الجہت اور قد آور شخصیت کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ ان کا شمار اردو زبان کے ان متعدد اہم ادیبوں میں ہوتا ہے جنھوں نے اردو زبان و ادب کی تحقیق کے میدان میں ہمیشگی اختیار کرنے والے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ سلیم اختر کی ادبی جہات کا اگر جائزہ لیں تو انھوں نے نفسیاتی تنقید کے میدان میں جو نئی راہیں ہموار کی ہیں ان کی مثال نہیں ملتی، ادبی تاریخ کی تحقیق کے صدیوں پرانے مسائل کو انھوں نے مختصر ترین کتاب کے اندر نہ صرف حل کر دیا بلکہ بہت ساری نئی جہات بھی قارئین ادب کے سامنے پیش کر دیں، افسانے کی دنیا میں انھوں نے جس قدر نفسیاتی پہلوؤں کی گہرائی کے ساتھ تخلیقات پیش کی ہیں وہ بھی اپنی مثال آپ ہیں، اقبالیات کے میدان میں انھوں نے بیشتر نئے زاویے پیش کیے ہیں، نفسیات کے میدان میں ڈاکٹر سلیم اختر نے مغربی ناقدین کے چیدہ چیدہ نظریات کے خلاصوں سے آگے بڑھنے کی روایت کو جنم دیا اور ان نظریات کے بانیوں کے مکمل حالات و آثار تک رسائی کی راہیں ہموار کیں اور جنسیات کے پیچیدہ و شجر ممنوعہ عنوان کی تہوں کو بہت خوبصورتی کے ساتھ کھولتے ہوئے مختلف اصناف ادب میں اس کا بھرپور استعمال بھی کیا۔

ڈاکٹر سلیم اختر کی تنقیدی جہت کو دیکھیں تو نفسیاتی تنقید کے میدان میں وہ ایک مستند حوالے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی تنقید نگاری کا آغاز زمانہ طالب علمی ہی سے ہو گیا تھا۔ انھوں نے اس وقت چھوٹے چھوٹے تنقیدی مضامین لکھے جو مختلف رسائل میں شائع ہوتے رہے۔ اوائل کے تنقیدی مضامین میں ''نازک مزاج شاعر۔ میر'' مشمولہ سدا بہار لاہور نومبر 1948ء، ''شیر میسور'' مشمولہ نیرنگ خیال راولپنڈی،

[*] Ph.D Scholar, Department of Urdu, Government College for Women University, Faisalabad.
[**] Professor, Department of Urdu, Government College for Women University, Faisalabad.

ستمبر 1949ء، ''اقبال بچوں کے شاعری کی حیثیت سے''، مشمولہ تعلیم و تربیت لاہور، اپریل 1951ء، ''فلمی موسیقی''، مشمولہ ہفت روزہ اداکار لاہور 13 اکتوبر 1951ء، ''خوش حال خان خٹک''مشمولہ کوہسار، گورنمنٹ کالج اصغر مال راولپنڈی مئی 1952ء اور ''اکبر کی شاعری'' روزنامہ تعمیر راولپنڈی 24 مارچ 1952ء شامل ہیں۔

یہ مضامین اگرچہ فنی لحاظ سے اتنے پختہ نہ تھے جتنے سلیم اختر بعد کی ریاضت کے بعد ہوئے تاہم ان کے موضوعات سے ان کی زمانہ طالب علمی ہی سے لگن اور ذہنی دل چسپی کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ سلیم اختر جب تھرڈ ائیر میں تھے تب انھوں نے ''اردو غزل میں تصورِ محبوب'' کے عنوان سے مضمون لکھا جو نیرنگ خیال راولپنڈی میں جنوری 1954ء میں شائع ہوا۔ اس مضمون کو جب انھوں نے کالج کی ایک ادبی تقریب میں پڑھا تو اس کا خوب چرچہ ہوا۔ یہاں تک کہ اس وقت کے اخبارات کے کالموں میں اس کی گونج سنائی دی۔ اس مضمون کے بارے میں ڈاکٹر طاہر تونسوی لکھتے ہیں ؛

''ڈاکٹر سلیم اختر نے اسے اپنے کسی مجموعہ میں شامل نہیں کیا۔ حالانکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس موضوع پر یہ اب بھی ایک اچھی تحریر ہے اور اس لیے بھی ایک اچھی تحریر ہے اور اس لیے بھی کہ اس میں جنس اور نفسیات سے اس دلچسپی کے ابتدائی سراغ مل جاتے ہیں جو اب ڈاکٹر سلیم اختر کی تنقید کا مخصوص مزاج بن چکی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس مضمون میں فلسفہ، تصوف اور مصوری کے بارے میں خاصی اہم معلومات ملتی ہیں جس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ تھرڈ ایئر میں لکھے گئے مضمون کی تحریر تک سلیم اختر کیا کچھ نہ پڑھ چکا تھا۔''(1)

ڈاکٹر سلیم اختر کی تنقید خالص نفسیاتی تنقید ہے۔ انھوں نے زمانہ طالب علمی ہی سے نفسیات کے مضامین پڑھے۔ نفسیاتی تنقید پر ہی انھوں نے اردو میں پی ایچ ڈی کی۔ یوں ان پر نفسیات کی مہر ثبت ہو گئی۔ وہ خود بھی کہتے ہیں :

''میرے تنقیدی شعور کے مظہر زاویۂ نگاہ کی تشکیل نفسیاتی مطالعہ کی مرہون منت ہے۔''(2)

تنقید پر ڈاکٹر سلیم اختر کی پہلی کتاب ''نگاہ اور نقطے فروری 1968ء میں منظر عام پر آئی۔ اس کتاب میں کل 12 مضامین شامل ہیں۔ اس کتاب کو ناقدین ادب نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس پر ادبی رسائل میں بڑی مقدار میں مضامین لکھے گئے۔ اس کے بعد یہ سلسلہ چل نکلا اور سلیم اختر کے قلم سے تنقید کتب اور مضامین کا ایک ریلا جاری ہوا جو ادبی تنقید میں فرسودات اور شخصیت پرستی کے تمام ہیولوں کو بہا کر لے گیا۔ ان کی اس برق رفتاری کے بارے میں انتظار حسین لکھتے ہیں :

''ڈاکٹر سلیم اختر کا اشہب قلم ایک مرتبہ کاغذ کو چھو جائے پھر تو وہ سرپٹ دوڑتا ہے۔ لکھتے نامہ لکھے گئے دفتر۔ تنقیدی مقالہ لکھنے بیٹھتے ہیں اور کتاب لکھ کر اٹھتے ہیں تنقید میں اور اتنی آمد۔ اور کیسے کیسے متنوع موضوعات پر آمد ہوئی ہے۔''(3)

ڈاکٹر سلیم اختر کی ادبی تاریخ نویسی کو دیکھیں تو یہ وہ جہت ہے جس نے ان کو شہرت کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ ان کی مشہور زمانہ کتاب'' اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ'' کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ یہ کتاب ان کی تاریخ نویسی کا سنہری باب ہے جسے اس وقت پاکستان میں سی ایس ایس اور پی ایم ایس کے امتحانات کے نصاب میں بھی شامل کیا گیا ہے۔ یہ کتاب سب سے زیادہ ایڈیشنز کی متحمل ہے۔ اس کتاب میں

انھوں نے اردو زبان کی تاریخ کو انتہائی مختصر اور جامع انداز میں پیش کر دیا ہے کہ قارئین کو بے شمار جلدوں کو پڑھنے کی چنداں ضرورت نہ رہی۔ اس کتاب پر بھی اردو کے ادبی رسائل کی ایک بڑی تعداد میں تبصرے شائع ہوئے۔ احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں:

''کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے مجھے محسوس ہوا کہ دورِ حاضر کے ادب کی تاریخ لکھتے ہوئے ڈاکٹر سلیم اختر کو بڑی آزمائش کا سامنا رہا ہے۔ معاصر ادب اور ادیبوں کے بارے میں کھری باتیں کہنے کا حوصلہ بڑے بڑے جغادری نقادوں کو بھی نہیں ہو پاتا۔'' (4)

ڈاکٹر سلیم اختر کی اس کتاب کی وجہ سے بہت سارے لوگ ان کے مخالف بھی ہوئے اور ناراض بھی ہوئے۔ بعض لوگوں کا اعتراض یہ تھا کہ ان کا نام ادب کی تاریخ میں شامل کیوں نہ کیا گیا اور بعض کا اعتراض یہ تھا کہ ان کے آقا کی شان کے بارے میں گستاخی کیوں کی گئی۔ بہر حال یہ ایک الگ بحث ہے۔ البتہ ان اعتراضات سے کتاب کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ اردو ادب کی تاریخ لکھنا جہاں مشکل کام ہے وہاں ادیبوں اور شاعروں کے بارے میں دیانتدارانہ رائے دینے کے سلسلے میں ادبی مورخ کو کئی پل صراطوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس حوالے سے معیاری کام کرنے کے لیے غیر جانبداری سے کام لینا پڑتا ہے جس میں ڈاکٹر سلیم اختر پوری طرح کامیاب ہوئے۔

ڈاکٹر سلیم اختر نے اقبالیات کے ضمن میں بھی خاصا اہم اور وقیع کام کیا ہے۔ علامہ اقبال سے انھیں شروع ہی سے دل چسپی رہی ہے اور وہ رسائل میں اقبال پر مضامین لکھتے رہے ہیں۔ اقبالیات کے سلسلے میں ان کی کتابیں اقبال کا نفسیاتی مطالعہ، اقبال۔ ممدوحِ عالم، اقبالیات کے نقوش، اقبال کا ادبی نصب العین، اقبال کا شعاع صد رنگ، فکر اقبال کے منور گوشے، فکر اقبال کا تعارف، اقبال اور ہمارے فکری رویے، ایران میں اقبال شناسی کی روایت وغیرہ اہم ہیں۔

''اقبال کا نفسیاتی مطالعہ''ان کی مشہور کتاب ہے۔ یہ کتاب ایک متنازعہ حیثیت بھی رکھتی ہے کیونکہ انھوں نے اس کتاب میں اقبال کا نفسیاتی جائزہ بڑی بے باکی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ سلیم اختر نے پہلی بار اقبال کا نفسیاتی مطالعہ کرنے کی کوشش کی اور اقبال کی شخصیت کے عقیدت کے غلاف میں لپیٹنے کے بجائے حقیقت پر مبنی تنقید پیش کی۔ انھوں نے اقبال کی شخصیت کو سمجھنے کے لیے عطیہ بیگم کے نام اقبال کے خطوط کو خاص طور پر استعمال کیا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر طاہر تونسوی لکھتے ہیں:

''اقبال کے نفسیاتی مطالعہ کے سلسلے میں سب سے اہم حوالہ عطیہ بیگم کے نام اقبال کے خطوط ہیں، جن سے اقبال کی ذہنی وجذباتی وابستگی، باطنی انتشار، ایک طرح کی بے دلی و پژمردگی اور شاعری سے بیزاری کا علم ہوتا ہے۔ سلیم اختر نے ان خطوط کا تحلیلی مطالعہ کرنے بعد اقبال کی جذباتی زندگی کے بارے میں نتائج اخذ کیے ہیں۔ اب تک اس قسم کا مطالعہ نہیں کیا گیا تھا۔'' (5)

ڈاکٹر سلیم اختر نے پہلی بار اقبال کو بہ طور شاعر کے بجائے بہ طور انسان پیش کیا۔ انھوں نے ایک عام انسان کے طور پر ان کی شخصیت کا نفسیاتی جائزہ پیش کیا تو کچھ حلقوں کو یہ بات ناگوار گزری۔ لیکن زیادہ تر ناقدین نے ان کی اس جرات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر محمد معروف لکھتے ہیں:

''اقبال کی اس ذہنی کشمکش اور ناآسودگی میں ڈاکٹر سلیم اختر کو ان کی تخلیقی جینئس کا راز مضمر ملتا ہے۔ اگر اقبال بھی اکثریت کی طرح اپنی نجی

اور ازدواجی زندگی میں مطمئن ہوتے تو وہ کوئی تخلیقی کام نہ کر پاتے۔"(6)

اسی طرح سلیم اختر نے "اقبال۔ممدوحِ عالم" جیسی کتاب مرتب کر کے اقبال سے اپنی محبت کا اظہار کیا ہے۔اس کتاب میں انھوں نے مشرق و مغرب کے مسلم و غیر مسلم دانشوروں کے اقبال کے بارے میں تنقیدی مضامین کو جمع کیا ہے۔ان مضامین کی تعداد 38 ہے۔اس کتاب میں بہت سے نئے مضامین پڑھنے کو ملے۔ڈاکٹر سلیم اختر کا اپنا مضمون بھی خاصا اہمیت کا حامل ہے۔اس مضمون میں انھوں نے اقبال کی دنیا بھر میں مقبولیت کو واضح کیا ہے اور اقبال کے متضاد نظریات رکھنے کے خیال کو بھی رد کیا ہے۔سعادت سعید نے بجا طور پر لکھا ہے:

"ڈاکٹر سلیم اختر کی یہ کاوش اقبال کے مخالف نقادوں کی آنکھوں پر بندھی پٹی کھولتی ہے۔یہ کتاب اقبال پر حرف آخر کی حیثیت تو نہیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ عالمی نقادوں کی ان تحریروں کے یک جا ہونے سے اقبال کے بین الاقوامیت اور آفاقیت کے معروضی ثبوت فراہم ہوئے ہیں۔"(7)

علاوہ ازیں ڈاکٹر سلیم اختر نے اقبالیات پر جو کتابیں لکھیں یا مرتب کیں ان میں فکر اقبال کے منور گوشے، اقبال کا ادبی نصب العین، اقبال: شخصیت افکار و تصورات، علامہ اقبال: حیات فکر و فن، اقبالیات کے نقوش، اقبال شعاع صد رنگ، مسلم ممالک میں اقبال شناسی کی روایت، فکر اقبال کا تعارف، اقبال اور ہمارے فکری رویے، ایران میں اقبال شناسی کی روایت، اقبال شناسی کے زاویے، اقبال شناسی اور فنون، اقبال کی فکری میراث، شرح ارمغان حجاز (اردو) وغیرہ شامل ہیں۔

اسی طرح ڈاکٹر سلیم اختر نے افسانوی ادب میں بھی اپنی بیش قیمت تخلیقات پیش کی ہیں۔جن میں ناولٹ اور افسانے شامل ہیں۔ڈاکٹر سلیم اختر کی دلچسپی کے میدان جنس اور نفسیات کی تمام تر صلاحیتوں کا اظہار ان کے افسانوی ادب میں دیکھنے کو ملتا ہے۔اس حوالے سے غلام حسین اظہر لکھتے ہیں:

"اس کے افسانوں کا سب سے بڑا امتیازی وصف اس کا ابنارمل کرداروں سے شغف اور ان کا نفسیاتی تجزیہ ہے۔اس نے جنسی گھٹن، اعصابی تناؤ، نرگسیت، ہم صنفی عشق، امرد پرستی، جنسی انتقام، ذہنی خلفشار اور جذباتی انتشار کی کیفیات و محسوسات کو گرفت میں لینے کی اکثر افسانوں میں بڑی کامیاب اور فکر انگیز کوشش کی ہے۔"(8)

ڈاکٹر سلیم اختر کی ادبی خدمات کے سبب سلیم اختر شناسی کی ایک مستقل روایت وجود میں آچکی ہے جس میں ادبی رسائل کا کردار بہت اہم ہے۔ اردو کے مختلف ادبی رسائل نے سلیم اختر پر خصوصی مطالعے کے گوشے قائم کر کے نامور ناقدین کے مضامین شائع کیے جن کے ذریعے سلیم اختر شناسی کی روای کو بہت تقویت ملی۔ڈاکٹر سلیم اختر کی کثیر الجہتی کاوشوں کو منظر عام پر لانے کے لیے اردو ادب کے رسائل نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ان کی ہر تصنیف کی طباعت کے بعد اس پر تبصروں اور تنقیدی مضامین کی اشاعت کے لیے اردو رسائل نے اپنے آپ کو وسیع القلبی کے ساتھ پیش کیا اور ڈاکٹر سلیم اختر کے لیے خصوصی گوشے اور خاص نمبر شائع کیے۔ڈاکٹر سلیم اختر خود بھی ساری زندگی ادبی رسائل میں سب سے نمایاں مضمون نگار کے طور پر شامل رہے اور ان کی خدمات کے اعتراف میں ان کی زندگی میں بھی اور بعد میں بھی

مضامین شائع ہو رہے ہیں۔

سلیم اختر شناسی کا ادبی جائزہ سب سے پہلے پروفیسر ہارون عثمانی نے پیش کیا بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ''سلیم اختر شناسی'' کی اصطلاح کو ہارون عثمانی نے متعارف کروایا تو غلط نہ ہو گا۔ انھوں نے پنجاب یونی ورسٹی سے شائع ہونے والے رسالے ''بازیافت'' کے جولائی تا دسمبر 2016ء کے شمارے میں ''سلیم اختر شناسی'' کے عنوان سے مضمون لکھا۔ اس مضمون میں انھوں نے پہلی بار سلیم اختر شناسی کی اصطلاح کو متعارف کروایا۔ لکھتے ہیں:

''علالت اور ضعف کے باوجود ڈاکٹر سلیم اختر کا قلم اب بھی رواں ہے اور اکا دکا مضامین کے علاوہ کتب پر ان کے تحریر کردہ فلیپس اور آراء بھی مل جاتی ہیں۔ گویا، 46-1945ء سے تاحال ڈاکٹر سلیم اختر کی صریر خامہ سنی جا سکتی ہے۔ یہ ستر برس سے زائد کا عرصہ بنتا ہے۔ اس دوران میں خود ڈاکٹر سلیم اختر پر بھی بہت کچھ لکھا گیا، جسے سلیم اختر شناسی کہا جائے تو غلط نہ ہو گا۔''(9)

سلیم اختر شناسی کی روایت ڈاکٹر سلیم اختر کی زندگی ہی میں شروع ہو گئی تھی۔ ان کی زندگی ہی میں ان کی شخصیت اور مختلف ادبی جہات پر اردو کے ادبی رسائل نے مضامین شائع کرنے شروع کر دیے تھے۔ اس سلسلے میں پروفیسر ہارون عثمانی نے لاہور کے ''ماہنامہ تخلیق'' کو اولیت کا درجہ دیا ہے۔ اس رسالے کے 1972ء کے شمارہ نمبر 12-13 میں میرزا ادیب کا مضمون ''سلیم اختر'' شائع ہوا۔ اس مضمون میں انھوں نے سلیم اختر کی مختلف ادبی جہات کا تنقیدی جائزہ پیش کیا تھا۔ اس مضمون کو ڈاکٹر طاہر تونسوی نے اپنی مرتبہ کتاب ''سلیم اختر۔ شخصیت و تخلیقی شخصیت''، میں بھی شامل کیا ہے۔ رسائل میں سلیم اختر کی شخصیت و تخلیقات کے تنقیدی جائزے پر گوشہ وقف کرنے کی اولیت کراچی سے شائع ہونے والے معروف ادبی رسالے ''سیپ'' کے اگست ستمبر 1975ء کے شمارے کو حاصل ہے۔ اس کے بعد رسائل میں سلیم اختر شناسی کا یہ سلسلہ چل نکلا۔ ذیل میں ہم اردو کے ادبی رسائل میں سلیم اختر شناسی کا مختلف اصناف کے لحاظ سے مختصر جائزہ لیں گے۔

سید شبیہ الحسن اور شیخ صفدر علی کی ادارت میں لاہور سے شائع ہونے والا ماہنام ''شام و سحر'' اردو ادب میں خاصا مقبول ہے۔ اس رسالے کے مارچ 2007ء کے شمارے کو آپ بیتی کے خصوصی نمبر کے طور پر شائع کیا گیا۔ یہ خاص نمبر صنف آپ بیتی پر مضامین کے بجائے ڈاکٹر سلیم اختر کی آپ بیتی ''نشان جگر سوختہ'' پر تنقیدی مضامین پر مشتمل ہے۔ اس خاص نمبر میں انتظار حسین، امجد اسلام امجد، عطاء الحق قاسمی، قاضی جاوید، ڈاکٹر معراج نیر، ڈاکٹر عقیلہ بشیر، قاضی مشتاق احمد، ڈاکٹر زوار حسین شاہ، زاہد حسن، لبنیٰ نصیر اور ڈاکٹر سید شبیہ الحسن جیسے نامور ناقدین نے ڈاکٹر سلیم اختر کی آپ بیتی ''نشان جگر سوختہ'' اور ان کی شخصیت کے بارے میں اپنی آرا دی ہیں جن سے سلیم اختر کے ادبی مقام و مرتبے کا واضح تعین ہوتا ہے۔

انتظار حسین لکھتے ہیں:

''ایک ناقد کے لئے معتبر مصنف بننا انتہائی دشوار ہوتا ہے مگر سلیم اختر میں بیک وقت یہ دونوں خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ ان کی سوانح عمری یہ واضح کرتی ہے کہ وہ کس قدر معصوم انسان ہیں۔ انہوں نے اپنی زندگی کی مایوسیوں اور الجھنوں کو چھپانے کی کبھی کوشش نہ کی۔ ایک مصنف

ہونے کے ناتے انہوں نے اپنی شخصیت کے تمام تر پہلوؤں کو تحریر کیا۔"(10)

امجد اسلام امجد نے سلیم اختر کی آپ بیتی میں ان کی سچائی اور شخصیت کے دیگر پہلوؤں کے بارے میں رائے دی ہے۔ لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر سلیم اختر ادبی دنیا میں ایک عمدہ نقاد اور اہم افسانہ نگار کے حوالے سے جانے جاتے ہیں ان کا تیسرا تعارف ایک استاد کا ہے کہ زندگی کے ابتدائی دور کی چند متفرق اور مختصر ملازمتوں سے قطع نظر ان کی عمر کا بیشتر حصہ اردو زبان و ادب کے استاد کی حیثیت سے ملتان اور لاہور میں پڑھاتے گزرا ہے لیکن اس کتاب میں انہوں نے جس خوبصورتی، بے تکلفی اور سچائی سے اپنی شخصیت کے مختلف گوشوں کی نقاب کشائی کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔"(11)

امجد اسلام امجد کے خیال میں ڈاکٹر سلیم اختر نے زندگی کے مختلف مسائل کے بارے میں اپنے خیالات، تصورات اور تعصبات کو نہ صرف بیان کیا ہے بلکہ ان تشکیلی اور تدریجی مدارج پر بھی بڑے دلچسپ انداز میں روشنی ڈالی ہے جنہوں نے ان کی شخصیت کی تعمیر میں نمایاں حصہ لیا ہے نوجوانی کے رومانی دور اور اس کے دھند لکوں اور خون کی گرمی اور اس کے مظاہر ہر دو کو انہوں نے "جیسا ہے، جہاں ہے" کے انداز میں بیان کیا ہے جو یقیناً ہمارے سوانحی ادب میں اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔

اسی طرح متذکرہ بالا دیگر ناقدین نے بھی اس خاص شمارے میں سلیم اختر کی شخصیت کی سچائی اور اس تصنیف کی ادبی حیثیت کو تسلیم کیا ہے۔ ان ناقدین میں عطاالحق قاسمی کا مضمون خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ انھوں نے سلیم اختر کے ساتھ ایک ہمسائے اور دوست کے طور پر ایک لمبا عرصہ گزارا ہے۔ عطاالحق قاسمی کا مضمون "دانشوروں کے درمیان ایک بچا کھچا درویش" اس رسالے کے علاوہ موضوع کی تبدیلی کے ساتھ بہ عنوان "پاجامہ۔ عینک اور قلم" رسالہ "افکار" کراچی میں بھی شائع ہوا جو خاصا مقبول ہوا۔ اس مضمون میں انھوں نے ڈاکٹر سلیم اختر کے دھاری دار پاجامے اور ان کی سائیکل کا جو تذکرہ اپنے خاص ظریفانہ اسلوب میں کیا ہے وہ ادبی دنیا میں بہت مقبول ہوا۔ سلیم اختر کی سائیکل کا ذکر تو ان کی آپ بیتی میں بھی ملتا ہے لیکن دھاری دار پاجامے کو عطاء الحق قاسمی نے مشہور کرنے میں کردار ادا کیا ہے۔ قاسمی لکھتے ہیں:

"اب لاہور میں سائیکل والے ادیب بس دو چار ہی رہ گئے ہیں اور ان میں سے سلیم اختر سائیکل تو لازم و ملزوم ہیں بلکہ صبح سے شام تک وہ جتنی سائیکل چلاتے ہیں اس کے مطابق سلیم اختر کو لازم و ملزوم نہیں بلکہ ظالم و مظلوم قرار دیا جاسکتا ہے۔"(12)

عطاء الحق قاسمی نے اپنے مضمون میں ڈاکٹر سلیم اختر کا حلیہ بیان کرتے ہوئے ان کے پاجامے کا ذکر بڑے اہتمام کے ساتھ کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"دھاری دار پاجامہ اور تنگ چولی جیسی ایک قمیص پہن کر پھرتے ہیں۔ اس میں نیلے رنگ کا دھاری دار پاجامہ گویا ان کا "ٹریڈ مارک" بن گیا ہے، کیوں کہ قمیص کا رنگ تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ مگر پاجامہ وہی رہتا ہے۔ میرا بیٹا علی مین گیٹ کے پاس بیٹھ کر اس کی سلاخوں میں سے باہر گلی میں بلونگڑوں کی طرح جھانکتا رہتا ہے۔ چنانچہ اسے ان سلاخوں میں سے کوئی دھاری دار پاجامہ نظر آجائے تو دوڑا دوڑا اندر آتا ہے اور اپنی توتلی زبان میں کہتا ہے۔ "ابو! انکل سلیم اختر آئے ہیں" اور اس کی اطلاع ہمیشہ درست ہوتی ہے۔"(13)

سلیم اختر شناسی کی روایت میں رسائل کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی مشہور آپ بیتی کتابی شکل میں آنے سے پہلے

رسالہ معاصر میں سلسلہ وار شائع ہوئی جس کو بعد میں انھوں نے یکجا کر کے ''نشانِ جگر سوختہ'' کے نام سے شائع کیا۔

اردو ادب کے معروف رسالے ''افکار'' کے جون 1985ء کے شمارے کے خصوصی گوشے ''شخص و عکس'' میں ڈاکٹر سلیم اختر پر چار مضامین شائع کیے گئے۔ جن میں سب سے پہلا مضمون میں صہبا لکھنوی کا ہے جس کا عنوان ہے ''ڈاکٹر سلیم اختر۔'' صہبا لکھنوی نے ڈاکٹر سلیم اختر کی شخصیت و فن پر جامع مضمون لکھا ہے۔ اس مضمون میں سلیم اختر کے حالات زندگی اور تا حین تحریر ادبی کارناموں کا ذکر کیا گیا ہے۔

دوسرا مضمون سجاد باقر رضوی کا ہے جس کا عنوان ''ڈاکٹر سلیم اختر۔ بحیثیت اقبال شناس'' ہے۔ اس مضمون میں ڈاکٹر سلیم اختر کی اقبال شناسی کی ایک کڑی ان کی تصنیف ''اقبال اور ہمارے فکری رویے'' کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ سجاد باقر رضوی کے خیال میں یہ کتاب اقبال کے بارے میں زیادہ شاداب تناظر پیش کرتی ہے۔ اس تناظر میں آپ ٹھہر کر پوری فضا سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ موضوعات نئے نئے سے ہیں اور تازہ ہوا کے جھونکوں کی طرح فرحت و تازگی بخشتے ہیں۔۔ ''اقبال اور ہمارے فکری رویے'' کے بارے میں رائے دیتے ہوئے سجاد باقر رضوی لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر سلیم اختر نے اپنے بیشتر مضامین میں کلام اقبال کی مختلف جہتوں کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر ان کے مضامین کی اہمیت اس بات میں ہے کہ انہوں نے ساری دنیا میں پیغام اقبال اور کلام اقبال کی وسعت اور گہرائی کا جائزہ لیا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے جس محنت و کاوش سے کام لے کر انگلستان، فرانس، جرمنی، اٹلی، چیکو سلاویکیہ، روس، کینڈا وغیرہ کے اہل قلم اور ناقدین کے مضامین کی تلاش کر کے ان کے اقتباسات سے کلام اقبال کی تاثیر اور گرفت کو نمایاں کیا ہے اس کے لیے وہ یقیناً مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اسی معنی میں ہم نے پہلے یہ کہا ہے کہ سلیم اختر کے یہ مضامین گلشن اقبالیات میں تازہ ہوا کے جھونکے کی حیثیت رکھتے ہیں۔''(14)

سلیم اختر کی اسی کتاب کے تنقیدی جائزے پر مشتمل محمد علی صدیقی کا مضمون بھی اسی شمارے میں شامل ہے۔ اس مضمون میں انھوں نے پاکستان میں اقبال شناسی کی مایوس کن صورت حال پر خیالات کا اظہار کیا ہے۔

علاوہ ازیں لاہور سے جاری ہونے والے ماہنامہ ''تخلیق'' میں بھی ''خصوصی مطالعہ'' کے عنوان سے سلیم اختر پر خصوصی گوشہ قائم کیا گیا ہے۔ اس گوشے میں ڈاکٹر آغا سہیل اور ڈاکٹر شمیم حیدر ترمذی کے مضامین جبکہ ڈاکٹر سلیم اختر کی ''لب پہ آتی ہے دعا بن کے'' شامل ہے۔

ڈاکٹر آغا سہیل کا مضمون بہ عنوان ''ڈاکٹر سلیم اختر کی ''میں'' بھی سلیم اختر شناسی کے سلسلے کی اہم کڑی ہے۔ اس مضمون میں انھوں نے ڈاکٹر سلیم اختر کی مضمون نگاری کا موضوع بنایا ہے۔ اس مضمون میں ڈاکٹر سلیم اختر کی نفسیات، نفسیات و جنسیات نگاری کی فنکارانہ صلاحیتوں تہیں کھلتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ ڈاکٹر آغا سہیل نے سلیم اختر کے نفسیاتی دبستان کے حوالے سے مضامین لکھنے کے آغاز کے وقت کے ادبی منظر نامے پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر کے اس میدان میں اترنے سے پہلے جو چند لوگ نفسیات کے موضوع پر مغربی ناقدین کے خیالات کی تشریح کر رہے تھے ان سے کافی لوگ مستفید ہو رہے تھے لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو ان نظریات سے اجنبیت کا اظہار کرنا چاہتے تھے۔ ڈاکٹر سلیم اختر کے مضامین تو مکمل طور پر نفسیاتی دبستان کے متحمل ہیں اور اس کا اعتراف خود انھوں نے بارہا کیا ہے اور کہیں بھی اس دعوے سے راہ فرار اختیار نہیں کی۔ تاہم ان کے افسانوں میں جو اس چیز کا ایک غیر معمولی اہتمام ملتا ہے اس اہتمام کو اس مضمون میں ڈاکٹر آغا سہیل

نے موضوع بحث بنایا ہے۔

ڈاکٹر سہیل آغا کہتے ہیں کہ سلیم اختر کے لیے مضمون نگاری کوئی مشکل کام نہیں ہے کہ اس ضمن میں نفسیات کے بہت سارے زاویے ان کے پیش نظر رہتے ہیں۔ لیکن اس کے مقابلے میں جب وہ افسانہ لکھنے لگتے ہیں تو اس کے لیے انھیں غیر معمولی وقت اور صلاحیت درکار ہوتی ہے۔اس امر کی توجیہ یوں بیان کرتے ہیں:

''افسانہ لکھنے میں سلیم اختر جو غیر معمولی اہتمام کرتے اس کے بھی کچھ اسباب ہیں اور ان میں سے بیشتر اسباب نفسیاتی ہیں۔ رہا مضامین لکھنے کا مسئلہ تو اس میں موضوعات کا تعین کر کے اور مجوزہ خاکے میں موادر کھ کر چند زاویے فراہم کر لینا ایک ایسے شخص کے لئے چنداں مشکل نہیں جو تاریخ ادب اردو پر اور ادب کے مسائل پر گہری نگاہ رکھتا ہو۔۔۔۔۔ نفسیات کے ہزار ہا زاویے ان کے پیش نظر رہتے ہیں جبکہ افسانہ لکھنا ان کے لئے جان جوکھوں کا کام ہے۔''(15)

اسی طرح ڈاکٹر شمیم حیدر ترمذی نے سلیم اختر کے افسانوی مجموعے ''مٹھی بھر سانپ'' کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ شمیم حیدر نے ان افسانوں کے نفسیاتی پہلو کو منظر عام پر لانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔اس مجموعے میں سلیم اختر کی نفسیات اور جنسیات کے علم پر گرفت نظر آتی ہے۔

احمد ندیم قاسمی کے مشہور زمانہ رسالے ''فنون'' نے بھی سلیم اختر شناسی کی روایت میں کردار ادا کیا ہے۔فنون کے نومبر، دسمبر 1987ء کے شمارے میں سلیم اختر کے لیے گوشہ قائم کر کے اس میں چار بڑے ناقدین کے مضامین شامل کیے گئے۔ یہ مضامین سلیم اختر کی تحقیق و تنقید کے میدان میں خدمات کے اعتراف میں ہیں۔

فنون کے اس شمارے میں سید مشکور حسین یاد کا مضمون سلیم اختر کی کتاب ''انشائیہ کی بنیاد'' کے تنقیدی جائزے پر مشتمل ہے۔اس مضمون میں انھوں نے کتاب کے ہر باب کا الگ الگ تجزیہ کیا ہے۔یہ کتاب سلیم اختر کے ادبی مخالفین کے لیے ایک چیلنج سے کم نہیں تھی۔ مشکور حسین یاد نے اس کتاب میں ڈاکٹر وزیر آغا اور ان کے قبیل سے تعلق رکھنے احباب کے ذکر کی توجیہ بھی بیان کی ہے۔ اکثر تبصرہ نگاروں نے اس بات کا اعتراض کیا کہ اس کتاب میں ڈاکٹر وزیر آغا اور ان کے ہم خیال لوگوں کا ذکر ضرورت سے کچھ زیادہ ہی آگیا ہے۔ تو اس کا جواب وہ خود ہی دیتے ہیں:

''میں نے ہی نہیں ہر تبصرہ نگار نے یہ بات کہی ہے کہ اس عمدہ تنقیدی کتاب میں ڈاکٹر وزیر آغا صاحب کا ذکر کچھ زیادہ ہی آگیا ہے جس کے وہ یقیناً مستحق تھے، لیکن ایک اعتبار سے ڈاکٹر سلیم اختر حق بجانب بھی ہیں کہ جس طرح صنفِ انشائیہ کو ڈاکٹر وزیر آغا اور ان کے ہم خیالوں نے بدنام کیا ہے، اس کا تقاضا یہی ہے کہ اسی شدت سے اس کا جاب بھی دیا جائے، اور انشائیہ ایسی صاف ستھری صنف کو ان حضرات کی عطا کردہ آلودگی سے جیسے ممکن ہو بچایا جائے۔''(16)

مضمون کے آخر میں مشکور حسین یاد کہتے ہیں کہ ''انشائیہ کی بنیاد'' ایک عمدہ تنقیدی کتاب ہے۔انھوں نے منیر نیازی اور دوسرے اہل قلم حضرات جو انشائیہ کی اہمیت کے قائل نہیں، کو یہ کتاب پڑھنے کی دعوت دی ہے، کہ ان کے نزدیک انشائیہ کے متعلق غلط فہمی دور کرنے کے ضمن میں یہ کتاب سب کتابوں پر بھاری ہے۔

اسی رسالے کے ایک مضمون میں صلاح الدین حیدر نے بھی مشکور حسین یاد کی طرح ڈاکٹر سلیم اختر کی کتاب ''انشائیہ کی بنیاد'' کو پرانے

خیالات سے نجات دہندہ کے طور پر تسلیم کیا ہے۔ انھوں نے انشائیہ کی صنف سے تعلق رکھنے والے بڑے قلم کاروں کی تخلیقات کا مذاق بنانے والے چند اجارہ داروں کو آڑے ہاتھوں لیا ہے اور ڈاکٹر سلیم اختر کی اس کتاب کو خوب داد دی ہے۔

محمد اجمل نیازی کا ایک مضمون بہ عنوان ''ہمسفر بگولوں کا''۔ایک مطالعہ'' بھی فنون لاہور میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں اجمل نیازی نے ڈاکٹر سلیم اختر کی متنازعہ حیثیت اور ''ہم سفر بگولوں کا'' کو ان کی علمی و ادبی شان کی محافظ کے طور پر بیان کیا ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر اور ڈاکٹر وزیر آغا کی ادبی محاذ آرائی کے حوالے سے اس کتاب کی بڑی اہمیت ہے۔ وزیر آغا کی علمی خدمات کو انور سدید نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور دوسری طرف سے ڈاکٹر طاہر تونسوی نے اپنے استاد ڈاکٹر سلیم اختر کی ادبی خدمات کو ''ہمسفر بگولوں کا'' میں بیان کیا ہے۔ محمد اجمل نیازی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''میں ڈاکٹر وزیر آغا کے بارے میں ڈاکٹر انور سدید کی کتاب نہیں دیکھ سکا۔ آغا صاحب کیلئے انور سدید کی محبتوں اور عقیدتوں کی فراوانی سے اس کے بارے میں اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ انور سدید جس طرح ڈاکٹر وزیر آغا کی پہلی دفاعی لائن بن گئے ہیں ان کی یہ کتاب آخری مورچہ نہیں ثابت ہوگی۔ اس کتاب کے بعد انھوں نے اس حوالے سے جو کچھ لکھا ہے اس سے ایک اور کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ ڈاکٹر انور سدید تو جیسے اس کے علاوہ اور کوئی کام ہی نہیں کرتے۔''(17)

اردو ادب کے ماضی میں بھی ایسی ادبی محاذ آرائی کی بہت ساری مثالیں ملتی ہیں۔ ایسی کتابوں سے ادبی رونق میں اضافہ ہوتا ہے۔ علم و ادب کے شہروں میں اس طرح کی سرگرمیاں بازار گرم رکھنے کا بہانہ ہیں۔ جب مقابلے کی فضا میں مثبت نتائج سامنے آنے لگیں تو یہ بہت فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔

''فنون'' نے سلیم اختر شناسی کے ایک اور پہلو غالب شناسی کے متعلق احمد ندیم قاسمی کا مضمون فراہم کیا ہے جس کا عنوان ہے ''شعور اور لاشعور کا شاعر''۔ اس مضمون میں انھوں نے ڈاکٹر سلیم اختر کی کتاب ''شعور اور لاشعور کا شاعر'' کا ادبی جائزہ پیش کیا ہے۔ احمد ندیم قاسمی کے نزدیک اس کتاب کی اہمیت اس لحاظ سے زیادہ ہے کہ غالب کے حوالے سے اس موضوع پر ایک دو مضمون کے علاوہ کوئی کاوش نظر نہیں آتی۔

احمد ندیم قاسمی نے ڈاکٹر سلیم اختر کے نفسیاتی جائزے کو سراہا ہے۔ سلیم اختر نے غالب کو شعور اور لاشعور کا شاعر کہا ہے تو احمد ندیم قاسمی نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ غالب کی نفسیات کے حوالے سے سلیم اختر نے ان کے کلام ہی سے نتائج اخذ کرنے کی کوشش کی ہے جس میں اکثر و بیشتر وہ کامیاب ہی رہے ہیں۔ احمد ندیم قاسمی کہتے ہیں کہ ڈاکٹر سلیم اختر کے خیالات سے اختلاف کیا جاسکتا ہے مگر ان کی نیت پر شک نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ انھوں نے سلیم اختر کے ساتھ اپنے اختلافات کا ذکر اپنے مضمون میں برملا کیا ہے۔ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''مجھے ان سے یہ اختلاف ہے کہ انھوں نے جگہ جگہ غالب کے جذبۂ رشک کو ''مریضانہ'' بلکہ ''شدید مریضانہ'' کہا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں علم نفسیات محبت کو مرض میں بدل دیتا ہے۔ میں شاید علم نفسیات سے نابلد ہونے کی وجہ سے یہ سمجھتا ہوں کہ رشک کا جذبہ شدید لگاؤ اور محبت سے پیدا ہوتا ہے۔ اب اگر شدید لگاؤ اور شدید محبت ہی کو نفسی مرض سمجھ لیا جائے تو الگ بات ہے۔ ورنہ رشک ایک لطیف، حسین اور فطری جذبہ ہے۔ جو شخص رشک محسوس نہیں کرتا وہ یقیناً کسی نفسیاتی الجھاؤ کا شکار ہے۔''(18)

ان اختلافات کے باوجود احمد ندیم قاسمی نے ڈاکٹر سلیم اختر کی تصنیف کو غالب شناسی کے حوالے سے ایک نئی روشنی قرار دیا ہے۔ آخر میں احمد ندیم قاسمی ایک تجویز دیتے ہیں کہ اگر ڈاکٹر سلیم اختر غالب کے تضادات کے مطالعہ پر بھی ایک مضمون شامل کر دیتے تو بہت اچھا ہوتا۔

ڈاکٹر سلیم اختر کی غالب شناسی کے حوالے سے گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن ملتان کا رسالہ ''مسلک'' قابل ذکر ہے۔ اس رسالے کا غالب نمبر 1998ء میں شائع ہوا جس میں ''گوشہ سلیم اختر، ڈاکٹر'' مخصوص کیا گیا۔ اس گوشے میں سلیم اختر کی کتاب ''شعور و لاشعور کا شاعر ، غالب'' پر ایک گفتگو کے عنوان سے مباحثہ شامل کیا گیا جس کے شرکا احمد ندیم قاسمی، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر سلیم اختر، حسن رضوی، سعید مرتضیٰ زیدی، ڈاکٹر آغا سہیل، سراج منیر اور طارق عزیز تھے۔ یہ گفتگو روزنامہ جنگ کے فورم میں ہوئی تھی جسے مذکورہ رسالے نے اپنے خصوصی نمبر میں شائع کیا۔ ڈاکٹر سلیم اختر اپنی کتاب میں کہتے ہیں:

''آپ سب میرے مزاج سے واقف ہیں کہ میں نے آج تک اپنی کسی کتاب کی تقریب رونمائی نہیں کرائی بلکہ اب تو میں تبصرے وغیرہ بھی نہیں کراتا لیکن ''شعور اور لاشعور کا شاعر۔ غالب'' غالب کی شخصیت، اس کی شاعرانہ اہمیت اور میرے مخصوص تنقیدی مزاج کی عکاسی کرتی ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ سلیم احمد مرحوم کی ''غالب کون'' کے بعد اور ایسی کوئی کتاب نہیں آئی جس نے غالب کے بارے میں نئے مباحث کو جنم دیا ہو۔ مجھے توقع ہے کہ میری کتاب کچھ سوالات کا باعث بن سکے گی۔ اس کے حوالے سے کچھ نئے نکات پر بھی غور ممکن ہو سکے گا۔''(19)

ڈاکٹر سلیم اختر اپنے دعوے میں درست ثابت ہوئے۔ ان کی تصنیف ''شعور اور لاشعور کا شاعر۔ غالب'' کے بعد غالبیات میں نئے سوالات نے جنم لیا جس کا ثبوت احمد ندیم قاسمی کا متذکرہ بالا مضمون ہے۔

اس کے علاوہ ڈاکٹر طاہر تونسوی کا مضمون ''شعور و لاشعور کا شاعر ، غالب'' تجزیہ''، ڈاکٹر سہیل احمد کا مضمون ''ڈاکٹر سلیم اختر کی نفسیاتی تنقید'' اور پروفیسر شوذب کاظمی کا مضمون ''ڈاکٹر سلیم اختر بحیثیت نقاد بھی شامل ہیں۔

اردو ادب کے رسائل نے سلیم اختر شناسی میں سب سے زیادہ مضامین ان کی کتب پر تبصروں کی صورت میں فراہم کیے ہیں۔ سلیم اختر کی کتاب کسی بھی موضوع پر شائع ہوتی تو اس پر تبصرے ضرور لکھے جاتے۔ حالانکہ وہ خود ایسے کاموں اور اپنی تعریف و توصیف کو پسند نہیں کرتے تھے جس کا ذکر متذکرہ بالا اقتباس میں بھی ہو چکا ہے۔ بہر حال اردو رسائل نے سلیم اختر شناسی میں خوب کردار ادا کیا۔ مثال کے طور پر ان کی پہلی تنقیدی کتاب پر ماہنامہ ''اوراق'' لاہور میں سجاد نقوی کا ایک تبصرہ دیکھیے:

سجاد نقوی ان کی کتاب ''نگاہ اور نقطے'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سلیم اختر نے متنوع موضوعات کو نفسیاتی کلینک میں پرکھنے کی کوشش کی ہے اور اکثر منفرد نتائج اخذ کئے ہیں۔ خوبی کی بات یہ ہے کہ اس کا استدلال محض دو اور دو چار تک محدود رہتا ہے، وہ نہ رومال سے کبوتر نکالتا ہے بلکہ وہ اپنی رائے کا وزن محسوس کرانے کے لئے تجزیے کا بھی عمدہ معیار پیش کرتا ہے۔ اس کے بعض نتائج سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن وہ طریق کار جو اس نے ان نتائج کے اخذ کرنے میں اختیار کیا ہے اس سے اختلاف شاید ممکن نہ ہو۔''(20)

اسی طرح معروف رسالے ''آج کل'' دہلی کے فروری 1970ء کے شمارے میں شمیم حنفی نے بھی اسی کتاب پر تبصرہ لکھتے ہوئے کہا:

''سلیم اختر نے تنقید کی ایک نئی راہ کو فروغ دینے کی کوشش کی ہے اور ساتھ ہی ساتھ انھوں نے سچی اور باوزن تنقید کے تقاضوں کو بھی دھیان میں رکھا ہے۔ انھوں نے نفسیات کو اپنی تنقید کا پیمانہ بنایا ہے اور فرائڈ اور ایڈلر سے آگے بڑھ کر ینگ کے نظریات کی مدد سے اپنی انفرادی فنی بصیرت اور تخلیقی شعور کی روشنی میں افکار و اشخاص کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔''(21)

سلیم اختر کی کتب پر تبصرے شائع کرنے والے دیگر رسائل میں نیرنگ خیال لاہور، تحریک دہلی، اردو کراچی، سیپ کراچی، فنون لاہور، طلوع افکار کراچی، نیا دور کراچی، صحیفہ لاہور، نئی قدریں حیدر آباد، سیارہ ڈائجسٹ، ویمن ڈائجسٹ، کتاب لاہور، افکار کراچی، الفاظ کراچی، حریت کراچی، تخلیق لاہور، اخبار جہاں لاہور، ہلال ڈیرہ غازی خان، ادب لطیف لاہور، نقوش لاہور، الفاظ علی گڑھ، پلک لاہور وغیرہ شامل ہیں۔

سید ضمیر جعفری کے رسالے ماہنامہ ''چہار سو'' کے مارچ اپریل 2000ء کے شمارے میں بھی سلیم اختر پر خصوصی گوشہ وقف کیا گیا ہے۔ اس گوشے میں ڈاکٹر سلیم اختر کے تین مضامین اور دیگر ناقدین گیارہ مضامین شامل ہیں جن میں سلیم اختر شناسی کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

ماہنامہ سپوتنک لاہور کے جولائی 2001ء کے شمارے میں ''ڈاکٹر سلیم اختر۔ ایک مطالعہ'' کے عنوان سے ایک گوشہ مرتب کیا گیا جس میں سلیم اختر پر باقاعدہ پیش لفظ، منظوم خراج تحسین کے علاوہ ان کی مختلف ادبی جہات پر چھے مضامین شائع کیے گئے۔

علاوہ ازیں اردو رسائل کی ایک بڑی تعداد ہے جن میں سلیم اختر کی شخصیت و فن پر خصوصی گوشے وقف کیے گئے ہیں۔ ایسے رسائل میں الفاظ کراچی، سیپ کراچی، ماہ نو لاہور، نقوش لاہور، راوی لاہور، تسطیر لاہور وغیرہ شامل ہیں۔ ان رسائل کے ذریعے سلیم اختر شناسی اپنے ہر پہلو کے ساتھ اردو ادب کے تحقیقی و تنقیدی اور افسانوی افق پر ایک کہکشاں کی مانند چمکتی دمکتی نظر آتی ہے۔

ڈاکٹر سلیم اختر کی وفات پر اردو ادب پر گہرے صدمے کے بادل چھائے رہے۔ مختلف رسائل نے ان پر تعزیتی مضامین بھی شائع کیے۔ ہفت روزہ ''فیملی میگزین'' میں انجم فاروق ساحلی کا مضمون ''چراغ جو بجھ گیا'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ انجم فاروق نے ان کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات کو یاد کیا ہے۔ کچھ معلومات فراہم کی ہیں اور کچھ ان کے فن پر خامہ فرسائی کی ہے۔ سلیم اختر کی وفات کی خبر سن کر جو کیفیت طاری ہوئی اسے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر سلیم اختر 30 دسمبر کو دانہ آب و گل سے عالم جاوید کو سدھار گئے۔ وہ ہمارے محلہ دار اور مشفق رہنما تھے۔۔۔۔ 31 دسمبر کو جب میں فیملی میگزین کے آفس روانہ ہونے سے قبل جہانزیب بلاک نرسری گراؤنڈ کے مقابل واقع مارکیٹ پہنچا تو میرے چچا پروفیسر شفیق کھوکھر نے اطلاع دی کہ میرے استاد اور ادب کے نامور نقاد ڈاکٹر سلیم اختر کا انتقال ہو گیا۔ ان کا جنازہ اب آنے ہی والا ہے۔ مجھ پر سوگوار سناٹا طاری ہو گیا۔ جنازہ قریب آتے ہی فوراً کندھا سنبھالا اور گراؤنڈ کے وسطی مقام کی طرف چل پڑے۔''(22)

اس سے قبل ''فیملی میگزین کے 13 تا 19 جنوری 2019ء کے شمارے میں بھی ایک تعزیتی مضمون شائع ہوا جو عمارہ رشید نے لکھا۔ عمارہ رشید کو ڈاکٹر سلیم اختر کی زندگی میں آخری مقالہ نگار ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ ان کے تعلقات سلیم اختر کے ساتھ گھریلو نوعیت کے بن چکے تھے۔ وہ لکھتی ہیں:

"عمارہ ابو نہیں رہے، تمھارے سر ہمیں چھوڑ کر چلے گئے"۔ 30/دسمبر 2018ء کی شام ڈاکٹر سلیم اختر کی بیٹی سائیکی نے یہ خبر روتے ہوئے سنائی تو مجھے بھی اپنے آنسوؤں پر اختیار نہیں رہا۔۔۔۔ڈاکٹر سلیم اختر کے ہم سے جدا ہو جانے کی اندوہ ناک خبر کی تکلیف اور شدت اب بھی اتنی ہی ہے اور شاید اس سلسلے میں وقت کا مرہم بھی کارگر ثابت نہ ہو کہ ان کی مہربان و مشفق شخصیت کا خلا کبھی پر نہیں ہوگا۔"(23)

الغرض اردو رسائل نے سلیم اختر شناسی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا جس پر اپنی خدمات پیش نہ کی ہوں۔ سلیم اختر کی پیدائش اور پوری زندگی و شخصیت سے لے کر ان کے اس جہان فانی سے کوچ کرنے تک کے ہر لمحے کو ہمارے ادبی رسائل نے محفوظ کر لیا۔ کتابیں تو بیک وقت ایک شخصیت کا بیانیہ فراہم کرتی ہیں مگر رسائل کے ایک شمارے نے بیک وقت متعدد ناقدین کی آرا کو قارئین کے سامنے پیش کر دیا۔

حوالہ جات

[1] ڈاکٹر طاہر تونسوی، ہم سفر بگولوں کا، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، 2013ء، ص 54
[2] ڈاکٹر سلیم اختر، نگاہ اور نقطے، مکتبہ عالیہ، لاہور، 1987ء، ص 8
[3] انتظار حسین، سلیم اختر، مشمولہ: ڈاکٹر سلیم اختر: شخصیت و تخلیقی شخصیت، مرتبہ: ڈاکٹر طاہر تونسوی، گورا پبلشرز، لاہور، 1995ء، ص 23
[4] احمد ندیم قاسمی، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، مشمولہ: الفاظ، کراچی، مارچ 1984ء، ص 55
[5] ڈاکٹر طاہر تونسوی، ہم سفر بگولوں کا، ص 153
[6] ڈاکٹر محمد معروف، ماہ نو اپریل 1979ء، ص 67
[7] سعادت سعید، نئی قدریں، حیدر آباد، سندھ، ص 80
[8] غلام حسین اظہر، سلیم اختر کے افسانے، مشمولہ: الفاظ، کراچی، مارچ 1984ء، ص 67
[9] ڈاکٹر ہارون عثمانی، سلیم اختر شناسی، مشمولہ: بازیافت، شعبہ اردو، اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، جولائی تا دسمبر 2016ء، ص 447
[10] انتظار حسین، خود سے ذرا سی محبت، مشمولہ: ماہنامہ شام و سحر، لاہور، مارچ 2007ء، ص 7
[11] امجد اسلام امجد، نشان جگر سوختہ، مشمولہ: ماہنامہ شام و سحر، لاہور، مارچ 2007ء، ص 9
[12] عطاء الحق قاسمی، پاجامہ۔ عینک اور قلم، مشمولہ: ماہنامہ، افکار، کراچی، جون 1985ء، ص 34
[13] ایضاً، ص 35
[14] سجاد باقر رضوی، ڈاکٹر سلیم اختر۔ بحیثیت اقبال شناس، مشمولہ افکار کراچی، جون 1985ء، ص 27
[15] ڈاکٹر آغا سہیل، ڈاکٹر سلیم اختر کی "میں"، مشمولہ: ماہنامہ تخلیق، لاہور، اگست 1995ء، ص 97
[16] سید مشکور حسین یاد، "انشائیہ کی بنیاد" خصوصی مطالعہ، مشمولہ: فنون، لاہور، نومبر دسمبر 1987ء، ص 223
[17] محمد اجمل نیازی، "ہمسفر بگولوں کا"۔ ایک مطالعہ، مشمولہ: فنون، لاہور، لاہور، نومبر دسمبر 1987ء، ص 227
[18] احمد ندیم قاسمی، "شعور اور لاشعور کا شاعر" پر ایک نظر، مشمولہ: فنون، لاہور، لاہور، نومبر دسمبر 1987ء، ص 234
[19] ڈاکٹر سلیم اختر، "شعور و لاشعور کا شاعر، غالب" پر ایک گفتگو، مشمولہ: مسلک، غالب نمبر، گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن، ملتان، 1998ء، ص 37
[20] سجاد نقوی، نگاہ اور نقطے، مشمولہ: اوراق، لاہور، جولائی 1968ء، ص 285
[21] شمیم حنفی، نگاہ اور نقطے (مضامین کا مجموعہ)، مشمولہ: آج کل، نئی دہلی، فروری 1970ء، ص 46
[22] انجم فاروق ساحلی، چراغ جو بجھ گیا، مشمولہ: ہفت روزہ فیملی میگزین، 20 تا 26 جنوری 2019ء

23 عمارہ رشید، ڈاکٹر سلیم اختر، مشمولہ فیمیلی میگزین، 13 تا 19 جنوری 2019ء

Reference

1. Dr. Tahir Tonsvi, Hum Safar Bagoloon Ka, Al Faisal Nashiran wa Tajiran Kutub Lahore, 2013, p. 54.
2. Dr. Saleem Akhter, Nigah or Nuqtee, Maktaba Aliya, Lahore, 1987, p. 8.
3. Intizar Hussain, Saleem Akhter, Mashmoolat: Dr. Saleem Akther, Shakhsiyat wa Takhleeqi Shakhsiyat, Muratib: Dr. Tahir Tonsvi, Gawara Publications, Lahore, 1995, p. 23.
4. Ahmed Nadeem Qasmi, Urdu Adabi Ki Mukhtasar Tareen Tareekh, Mashmoolat: Alfhaz, Karachi, March 1984, p. 55.
5. Dr. Tahir Tonsvi, Hum Safar Bagoloon Ka, p. 153.
6. Dr. Muhammad Maroof, April 1979, p. 67.
7. Sadat Saeed, Nai Qadreen, Hyderabad, Sindh, p. 80.
8. Ghulam Hussain Asghar, Saleem Akther Ke Afsane, Mashmoolat: Alfhaz, Karachi, March 1984, p. 67.
9. Dr. Haroon Usmani, Saleem Akhter Shanasi, Mashmoolat: Bazyaft, Shouba Urdu, Oriental College, Punjab University, Lahore, July to December 2016, p. 447.
10. Intazar Hussain, Khud Sy Zara Si Muhabat, Mashmoolat: Mahnama Sham wa Sahar, Lahore, March 2007, p. 7.
11. Amjad Islam Amjad, Nishan Jigar Soukhta, Mashmoolat: Mahnama Sham wa Sahar, Lahore, March 2007, p. 9.
12. Atta ul Haq Qasmi, Pajama- Einak or Qalam, Mashmoolat: Mahnama, Ifkar, Karachi, June 1985, p. 34.
13. Ibid, p. 35.
14. Sajjad Baqar Rizvi, Dr. Saleem Akther Ba, Hesiyat Iqbal Shanas, Mashmoolat: Mahnama, Ifkar, Karachi, June 1985, p. 27.
15. Dr. Agha Suhail, Dr. Saleem Akther Ki "Main", Mashmoolat: Mahnama Takhleeq, Lahore, August 1995, p. 97.
16. Syed Mashkoor Hussain Yaad, "Inshiya Ki Bunyad", Khususi Mutalia, Mashmoolat: Fanoon, Lahore, November to December 1987, p. 223.
17. Muhammad Ajmal Niazi, "Hum Safar Bagoloon Ka", Aik Mutalia, Mashmoolat: Fanoon, Lahore, November to December 1987, p. 227.
18. Ahmed Nadeem Qasmi, "Shaoor or Lashoor Ka Shaeer" par aik nazar, Mashmoolat: Fanoon, Lahore, November to December 1987, p. 234.
19. Dr. Saleem Akhter, "Shaoor or Lashoor Ka Shaeer, Ghalib" par aik nazar, Mashmoolat: Musalik, Ghalib Number, Government College of Education, Multan, 1998, p. 37.
20. Sajjad Naqvi, Nigah or Nuqtee, Mashmoolat: Aouraq, Lahore, July 1968, p. 285.
21. Shameem Hanafi, Nigah or Nuqtee (Mazameen Ka Majmooa), Mahsmoolat: Aaj Kal, Nai Delhi, February 1970, p. 46.
22. Anjum Farooqui Sahili, Chiragh Jo Bujh Gaya, Mashmoolat: Haftroza Family Magazine, 20 to 26 January 2019.
23. Amarah Rasheed, Dr. Saleem Akhter, Mashmoolat: Haftroza Family Magazine, 13 to 19 January 2019.